حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

آیت اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب:- نام فاطمہؑ، مشہورترین لقب زہرا اور کنیت ام ابیہا تھی۔ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے بطن سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرد فرید بیٹی تھیں جن کی نسل پاک سے باپ کے نام اور کام کی بقاء رہی اور شاید اسی مناسبت سے آپ کی وہ کنیت ہوئی جس کے معنی ہوتے ہیں اپنے باپ کی ماں یعنی وہ خاتون جو اپنے باپ کی زندگی کو پروان چڑھانے کا سبب ہوئی۔

ولادت:- یوں تو فرقہ وارانہ اختلافات کے ساتھ بہت سی تاریخی حقیقتیں ایسی ہیں جو مرکز اختلاف بن گئی ہیں، خصوصاً ولادت اور وفات کی تاریخوں کے بارے میں تو خود ایک فرقہ کے روایات میں بھی اکثر اختلاف ہوتا ہے مگر عموماً یہ اختلاف چند مہینوں یا دو ایک برس سے آگے نہیں بڑھتا لیکن حضرت سیدۂ عالم کی تاریخ ولادت کے بارے میں فرق اسلامیہ میں جو اختلاف ہے وہ ذرا سے ہیر پھیر کے نتیجہ میں نو دس برس کی طولانی مدت کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ مورخین اہل سنت کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت بعثت سے پانچ برس پہلے ہوئی تھی اور فرقہ شیعہ کی روایات یہ ہیں کہ آپ بعثت سے پانچ برس بعد پیدا ہوئی تھیں۔ ان روایات کی بنیاد اہل بیت معصومینؑ کی ارشادات پر ہے۔ مذہبی طور ان روایات کے مستند ہونے کے علاوہ غالباً ہر غیر جانب دار محقق تاریخی نقطہ نگاہ سے بھی اس سے اتفاق کرے گا کہ کسی شخصیت اور بالخصوص پردہ نشیں خاتون کے متعلق اس کے گھرانے والوں بلکہ اولاد کا بیان جتنا معتبر ہوسکتا ہے اتنا کسی غیر کا بیان معتبر نہیں ہوسکتا۔ ان بیانات کی بنا پر صحیح قول یہی قرار پاتا ہے کہ حضرت سیدۂ عالم ۲۰ر جمادی الثانی کو بعثت کے پانچویں سال یعنی ہجرت کے آٹھ برس قبل پیدا ہوئیں۔

تربیت:- رسولؐ کی بعثت کے دسویں برس خدیجۂ کبریٰ نے دنیا سے مفارقت کی، اس وقت سیدۂ عالم صرف پانچ سال کی تھیں، اتنی مختصر عمر میں ماں کی آغوش شفقت سے جدائی کے بعد آپ کا گہوارۂ تربیت صرف باپ کا سایۂ رحمت تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی اخلاقی تربیت کا آفتاب تھا جس کی شعاعیں براہ راست اس بے نظیر گوہر کی آب وتاب میں اضافہ کر رہی تھیں۔ عورتوں میں اگر کسی کی صحبت اس عمر میں جناب سیدہ کو حاصل ہوسکتی تھی تو وہ حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ہوسکتی ہیں یا آپ کی بہنیں ام ہانی وغیرہ یا پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب۔ یہ تمام بزرگ خواتین تھیں جو سیدۂ عالم کی شمع عصمت کا پروانہ بنی رہتی ہوں گی اور اسی ماحول میں سیدہؑ کا بچپنا اپنی منزلیں طے کر رہا تھا۔

غم خواری:- سیدہؑ کا بچپن اپنے والد بزرگوار کو اس ناگوار ماحول میں دیکھتے گزرا جو پیام توحید پہونچانے اور پھر حضرت ابو طالب اور جناب خدیجہ کے دنیا سے اٹھ

جانے کے بعد در پیش تھا۔ سیدہ اکثر اپنے باپ کے سر مبارک پر اشاعت حق کے جرم میں کوڑا کرکٹ پھینکا جانا سنتیں اوران کے جسم کو پتھروں سے لہولہان دیکھتیں تھیں اور ان منصوبوں کا چرچا ان کے کانوں تک پہونچتا تھا جوان کے والد بزرگوار کے مشن بلکہ ان کی زندگی کو بھی ختم کرنے کے لئے قائم کیے جاتے تھے۔ مگر اس کمسنی کے عالم میں بھی سیدۂ عالم نہ ڈریں نہ سہمیں نہ گھبرائیں بلکہ اس ننھی سی عمر میں اپنے بزرگ مرتبہ باپ کی مددگار رہیں۔

ہجرت :- ''سیدۂ عالمؑ'' کی آٹھ برس کی عمر تھی، جب کافروں نے ایکا کر کے ایک شب رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کر کے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ آپ کو قدرت کی طرف سے اس کی اطلاع پہلے ہوگئی تھی، اس لیے آپ اپنے چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالبؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دے کر خود مخفی طریقہ پر مکۂ معظّمہ سے مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر تھے اور مکان کے اندر حضرت علی بن ابی طالبؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کے ساتھ سیدۂ عالم فاطمہ زہراؑ بھی تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی، اور یہ یقینا آپ کی زندگی کا بڑا امتحان تھا اپنے گھر کے گرد خون کے پیاسے دشمنوں اوران کی کھنچی ہوئی تلواروں کا گھیرا تھا۔ جس سے گھر میں رہ جانے والے سب ہی افراد پر ظاہری اسباب کے لحاظ سے دہشت پیدا ہونا چاہیئے اور ادھر باپ کی جدائی کا صدمہ اور ان کی جان کی حفاظت کا خیال مگر سیدہ نے اسی کمسنی میں اس مرحلہ کو صبر واستقلال سے طے کیا۔ پھر صبح کو جب دشمنوں نے دیکھا کہ رسولؐ چلے گئے ہیں، اوران کی جگہ پر علیؑ ہیں تو وہ سب گھر کو چھوڑ کر رسولؐ کی تلاش میں چلے گئے، اس وقت مکان کے رہنے والوں سے وقتی طور پر خطرہ دور ہو گیا، مگر رسولؐ کے متلعق ان کی فکر بڑھ گئی ہوگی۔ پھر چندروز کے بعد علی ابن ابیطالبؑ کا تن تنہا ان خواتین کو محملوں میں سوار کر کے اپنے ساتھ لینا اور مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہونا اور راستے میں مشرکین کا آ کر سدِّ راہ ہونا اور علیؑ کا تلوار کھینچنا، یہ سب عورتوں اور بچوں کے لیے کچھ کم دہشت ناک حالات نہ تھے جن سے گزر کر سیدۂ عالم اپنے والد بزرگوار کے پاس مدینۂ منورہ پہونچ گئیں۔

شادی:- مدینۂ منورہ پہونچنے کے بعد ایک سال کے اندر فاطمہ زہراؑ کی عمر نو برس کی ہوگئی۔ شریعت اسلام میں یہ سن لڑکی کے بلوغ کا قرار دیا گیا ہے اور تاکید ہے کہ اس کے بعد شادی میں دیر نہ کی جائے۔ اصحاب رسولؐ میں بہت سے افراد رسولؐ کی طرف دامادی کی نسبت حاصل کرنے کے شرف کی تمنا رکھتے تھے مگر اس کے پہلے صاحبزادی کی کمسنی کا عذر اس سوال میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اب جب کہ ابتدائی عمر شادی کی آ گئی تو مجسم خلق عظیم رسولؐ کی بارگاہ میں ہر ایک عرض تمنا کے لیے آنے لگا مگر رسولؐ کی طرف سے کوئی ہمت افزا جواب نہ ملا خدا اور رسولؐ کے نزدیک فاطمہ زہراؑ کے ساتھ شادی کے لیے صرف ایک فرد موزوں تھی، جواب تک خاموش تھی۔ یہ علیؑ کی ذات تھی، جنھوں نے رسولؐ کی گود میں بچپن سے پرورش پائی تھی اور جس طرح فاطمہؑ اپنے طبقہ میں آپ کی اخلاقی تعلیم

کا بہترین مرقع تھیں، اسی طرح علیؑ مردوں میں آپ کے تعلیمات کا مجسمہ تھے۔علیؑ کے لیے فاطمہؑ اور فاطمہؑ کے لیے علیؑ کے سوا برابر کا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا تھا، مگر علیؑ رسولؐ سے خواستگاری کرتے ہوئے حجاب محسوس کر رہے تھے اور رسولؐ کو خود سے اس بارے میں کسی ارشاد کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ جب ہر ایک اظہار تمنا کرنے والے کی خواہش ٹھکرا دی گئی تو انہی میں سے کچھ نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے تحریک کی کہ آپ بھی رسولؐ کی خدمت میں جا کر فاطمہؑ کی خواستگاری کریں۔ آخر علیؑ رسولؐ کی بارگاہ میں آئے جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ عرض تمنا کی ۔ رسولؐ نے بشاش چہرہ کے ساتھ فرمایا کہ ''تمہارے پاس مال دنیا سے کچھ ہے؟'' عرض کیا ''بس گھوڑا ، تلوار اور زرہ'' فرمایا ''گھوڑا اور تلوار تمہارے ایسے مجاہد کے لیے ضروری ہے مگر زرہ زائد ہے اس کو فروخت کر ڈالو'' عام مؤرخین کے مطابق یہ زرہ ۴۸۰ درہم کو فروخت ہوئی، اس رقم کو آپ نے بطور مہر سیدۂ عالم رسولؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اسی سے رسولؐ نے فاطمہؑ کی شادی کا سامان کیا اور بیٹی کے لیے نظام خانہ داری میں جن اسباب کی ضرورت تھی وہ خرید فرمایا۔ وہ کیا تھا، ایک چمڑے کا تکیہ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا، ایک بچھونا کھال کا اور کچھ مٹی کے برتن، ایک مشکیزہ اور ایک چرخہ۔ ان مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ مہر فاطمہ زہراؑ کا جو حضرت علی بن ابیطالبؑ نے ادا کیا اور جس پر حضرت فاطمہ زہراؑ کا نکاح پڑھا گیا، چار سو مثقال چاندی تھا۔ تقریباً یہی مقدار پانچ سو درہم ''مہر سنت'' قرار پائی ہے۔ جس کی مقدار ایک سو سترہ تولہ چاندہو تی ہے۔ مگر مہر سنت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ ہونا فضیلت کے خلاف ہے اتنا ہی ہو اور یا اس سے کم ہو اور اسی لیے فرقۂ شیعہ کے معتبر ترین جوامع حدیث یعنی کتب اربعہ کے بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر ظاہری طور پر اس عام مہر سے بھی جو مہر سنت قرار دیا گیا ہے، بہت کم یعنی صرف تیس درہم قرار دیا گیا تھا اگرچہ خالق کی طرف سے حضرت سیدۂ عالم کی روحانی عظمت کے لحاظ سے مہر سیدہ میں خدا کی خدائی کا بہت بڑا حصہ تھا مگر سیدہ کے مہر کو ظاہری حیثیت سے بہت کم رکھ کر ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی اس ذہنیت کو تبدیل کرنے کا سامان کیا گیا کہ وہ مہر کی رقم کے خواہ مخواہ زیادہ ہونے کو معیار عزت نہ سمجھ لیں بلکہ یہ سمجھیں کہ مہر کا کم ہونا سیدۂ عالم کی پیروی ہونے کے لحاظ سے بہت بڑی عزت کا سرمایہ ہے۔ آخر کو اسلامی تاریخ میں ایک مثالی تقریب کے طور پر یہ شادی عمل میں آئی اور اگر مسلمان اس شادی کی کیفیت کو پیش نظر رکھیں تو کبھی بے جا رسوم سے اپنی بربادی کی صورتیں اختیار کرنے میں عزت محسوس نہ کریں۔

اولاد:- شادی ہونے کے بعد حضرت فاطمہ زہراؑ صرف نو برس زندہ رہیں ۔ اس نو برس میں آپ کے یہاں شادی کے دوسرے ہی سال حضرت امام حسنؑ پیدا ہوئے، تیسرے سال حضرت امام حسینؑ پھر غالباً پانچویں سال حضرت زینبؑ اور ساتویں سال حضرت ام کلثوم، نویں سال محسن بطن میں تھے جب کہ وفات رسولؐ ہوئی اور وہ ناگوار مصائب پیش آئے جن کے سبب سے اسقاط ہو گیا اور پھر

حضرت سیدہ بھی جانبر نہ ہوسکیں۔ وفات کے وقت دو صاحبزادے حسنؑ اور حسینؑ موجود تھے جو امام خلق ہوئے اور دو صاحبزادیاں زینب و ام کلثوم تھیں جو اپنے اوصاف کے لحاظ سے طبقۂ خواتین میں اپنی ماں کی سچی جانشین ثابت ہوئیں۔

اخلاق واوصاف:- سیدۂ عالم شکل وشمائل، گفتار ورفتار اور حسنِ بیان ہر بات میں رسولؐ سے انتہائی مشابہ اور خصوصیت کے ساتھ سچائی اور امانت داری میں اپنے والد بزرگوار کی مکمل تصویر تھیں۔ آپ نے اپنی مختصر زندگی میں نسوانی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی بلند سیرت کے وہ نمایاں نقوش چھوڑے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ اس طبقہ کی رونمائی کے لیے کافی ہیں۔

خانہ داری:- فاطمہ زہراؑ نے شادی کے بعد سے تمام گھر کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کیا، جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ چلانا، چکّی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا، یہ سب کام اور ایک اکیلی سیدہؑ! لیکن نہ کبھی تیوریوں پر بل آئے نہ اپنے شوہر حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے کبھی اپنے لیے کسی مددگار خادمہ کے انتظام کی فرمائش کی۔ ایک مرتبہ اپنے پدر بزرگوار حضرت رسولؐ خدا سے ایک کنیز عطا کرنے کی خواہش کی تو رسولؐ نے بجائے کنیز عطا فرمانے کے وہ تسبیح تعلیم فرمائی جو تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ سبحان اللہ، حضرت فاطمہؑ اس تسبیح کی تعلیم سے اتنی خوش ہوئیں کہ کنیز کی خواہش ترک کر دی بعد میں رسولؐ نے بلا طلب ایک کنیز عطا فرمائی جو فضّہ کے نام سے مشہور ہے۔ سیدہؑ فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ برابر سے ایک عزیز، رفیق کا سا برتاؤ کرتی تھیں۔ اسلام کی تعلیم یقیناً یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں زندگی کے جہاد میں مشترک طور پر حصہ لیں اور کام کریں، بیکار نہ بیٹھیں، مگر ان دونوں میں صنف کے اختلاف کے لحاظ سے تقسیم عمل ہے اس تقسیم کار کو علیؑ اور فاطمہؑ نے مکمل طریقہ پر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ گھر سے باہر کے تمام کام آب کشی کرنا، باغوں میں پانی دینا، اور اپنی قوت بازو سے اپنے اور اپنے گھر والوں کی بسر زندگی کا سامان کرنا۔ یہ علیؑ کے ذمہ تھے اور گھر کے اندر کے تمام کام حضرت فاطمہ زہراؑ انجام دیتی تھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آج چودہ سو برس کے بعد بھی کاموں کی شکل وہی رہے جو پہلے تھی بلکہ زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان میں فرق ہوسکتا ہے مگر اس روح کو جو گھر کے اندر اور باہر کی زندگی کے تفرقہ کے ساتھ قائم ہے، محفوظ رکھا جانا ہر حال میں ضروری ہے۔

تزک واحتشام اور آرائش سے علیحدگی:- عام طور سے خواتین کی طبیعت اسباب زیب وزینت کی طرف خاص رغبت رکھتی ہے۔ اس کے سبب سے اکثر مردوں کو پریشانی اٹھانا پڑتی ہے اور بسا اوقات آمد وخرچ کے توازن میں فرق کی ذمہ داری آرائش پسندی ہوتی ہے جس سے اقتصادی تباہی آتی ہے۔ سیدۂ عالم نے ہمیشہ اپنی زندگی کو مسلمانوں کے غریب گھرانوں کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا اور کبھی لباس وزیور یا سامانِ خانہ داری میں تصنع اور تجمل کو پسند نہیں کیا، اور خود

رسولؐ کی تعلیم بھی یہی رہی بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدۂ عالم نے اپنے لیے دو چاندی کے کنگن، گلوبند، اور دو گوشوارے اور دروازہ کا پردہ تیار کرالیا تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی صرف ایک معنی خیز خاموشی سے سیدہؑ کو بہتر یہ معلوم ہوا کہ اسے راہ خدا میں خیرات کردیں۔

رسالتمآبؐ کو یہ معلوم ہوا تو اتنا خوش ہوئے کہ تین مرتبہ فرمایا ''وہی کیا جو میں چاہتا تھا، اس کا باپ اس پر فدا ہوجائے۔'' اس معلم انسانیت عظیم ترین باپ کی یہ بلند مرتبہ بیٹی ہی صرف وہ تھی جو اس کے بلند اخلاقی معیار تعلیم کو عمل کی مجسم شکل میں اس نقطہ پر لا سکے جو اس کا معراج بلندی ہے۔

عبادت و دعا کے موقع پر ایثار:۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عبادت وہ تھی جو عالمِ انسانیت کے اس طبقہ کے لئے جاودانی مثال ہے۔ عبادت بظاہر مخلوق اور خالق کے درمیان کی انفرادی چیز ہے اس لیے زیادہ تر عبادت کرنے والے ایسے ہوں گے جو شاید اپنے مال بلکہ غذا میں بھی دوسروں کو اپنے اوپر مقدم کر سکتے ہوں مگر اللہ کی بارگاہ میں تو ''خودغرضی'' ہی نظر آتی ہے۔ لیکن آل رسولؐ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ خالق کی بارگاہ میں بھی کھڑے ہوتے تھے تو دوسرے مخلوق کا درد اپنے دل میں لیے ہوئے چنانچہ حضرت سیدۂ عالمؑ کے متعلق شاہزادۂ امام حسنؑ کا بیان ہے کہ سیدۂ عالمؑ نے رات بھر محراب عبادت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور مومنین ومومنات کے لیے بہت دعا کی مگر اپنے لیے کوئی دعا نہ مانگی۔ اس کا بعد میں شاہزادے نے آپ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ الجار ثم الدار یہ عربی کی کہاوت ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ پڑوسی کا خیال گھر کی دیکھ بھال سے مقدم ہے۔

پردہ:۔ سیدۂ عالمؑ نہ صرف اپنی سیرت زندگی بلکہ اقوال سے بھی خواتین کے لیے پردہ کی اہمیت پر بہت زور دیتی تھیں۔ آپ کا مکان مسجد رسولؐ سے بالکل متصل تھا، لیکن آپ برقع و چادر میں نہاں ہو کر بھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نماز جماعت میں شرکت یا آپ کے موعظہ کے سننے کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لائیں بلکہ اپنے فرزند امام حسنؑ سے۔ جب وہ مسجد سے واپس جاتے تھے۔ اکثر رسولؐ کے خطبہ کے مضامین سن لیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے منبر پر یہ سوال پیش کردیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ یہ بات سیدہؑ تک پہونچی تو آپ نے جواب دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ نہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر پڑے اور نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے۔ رسولؐ کے سامنے یہ جواب پیش ہوا تو حضرتؐ نے فرمایا ''کیوں نہ ہو فاطمہؑ میرا ہی ایک جزء ہے۔''

خدمت اسلام:۔ اسلامی تعلیم میں عورت کے جہاد کی نوعیت ہی مرد کے جہاد سے الگ رکھی گئی ہے لہٰذا حضرت فاطمہ زہراؑ بھی اسی کی پابند تھیں اس لیے کسی جہاد میں سیدۂ عالم کا میدانِ جنگ میں قدم رکھنا ثابت نہیں ہوتا، لیکن جس حد تک ان کے حدود عمل تھے ان میں جہادوں کے ذیل میں بھی غیر متعلق نہ تھیں مثلاً جنگ احد میں جب پیغمبر خدا صلی

اللہ علیہ وآلہ مدینہ واپس آئے اس حالت میں کہ چہرہ خون سے رنگین تھا تو سیدۂ عالم ہی تھیں جو ظرف میں پانی لے کر حاضر ہوئیں اور رسولؐ کا چہرہ دھلوایا۔ علی بن ابی طالبؑ آئے اس شان سے کہ شانوں تک دونوں ہاتھ دشمنوں کے خون سے رنگین تھے اور تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔ آپ نے تلوار فاطمہ زہراؑ کی طرف بڑھائی اور عجب فخر کے انداز میں کہا کہ لو یہ تلوار آج اس نے میرے ساتھ وفاداری کی حد کر دی، رسولؐ نے ارشاد کیا کہ لو فاطمہ علیؑ کے ہاتھوں سے تلوار کو لو آج تمہارے شوہر نے جوان کا فرض تھا وہ بڑے نازک مرحلہ پر ادا کیا اور اللہ نے انہی کی تلوار سے قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کا خاتمہ کرایا'' فاطمہ زہراؑ نے خاموشی کے ساتھ ان باتوں کو سنا، تلوار ہاتھ میں لی اور یقیناً ان باتوں سے انہوں نے خود بھی ایک طرح کا فخر محسوس کیا جس کے ساتھ انہیں ایسی عظیم منزل جہاد میں بذات خود شریک نہ ہونے کا کوئی افسوس بھی نہ تھا اس لیے کہ وہ سمجھتی تھیں کہ ان کا جہاد یہی ہے جسے وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہ کے اسی طرح پورے طور پر ہمیشہ ادا کیا کرتی تھیں، جس طرح علیؑ نے ان جنگوں میں جہاد کا فرض ادا کیا۔ ہاں صرف ایک موقع عیسائیوں کے مقابلہ میں پرامن روحانی جہاد یعنی مباہلہ کا ایسا تھا جہاں سیدۂ عالم خدا کے حکم سے برقع و چادر میں نہاں ہو کر اپنے باپ اور شوہر کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں جس کا واقعہ یہ تھا کہ یمن سے عیسائیوں کے علماء کا ایک وفد رسولؐ کے پاس بحث و مباحثہ کے لیے آیا اور کئی دن ان سے بحث ہوتی رہی جس سے حقیقت ان پر روشن تو ہو گئی مگر سخن پردازی کی بنا پر

وہ قائل نہ ہونا تھے نہ ہوئے اس وقت قرآن کی آیت اتری کہ اے رسولؐ اتنے سچے دلائل کے بعد بھی یہ نہیں مانتے تو ان سے کہو کہ پھر آجاؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے اپنے نفسوں کو اور اللہ کی طرف رجوع کریں اور جھوٹوں کے لیے اللہ کی لعنت یعنی عذاب کی بددعا کریں۔' 'عیسائی علماء پہلے تو اس کے لیے تیار ہو گئے مگر جب رسول اللہؐ تشریف لے گئے اس شان سے کہ حسنؑ اور حسینؑ ایسے بیٹے، فاطمہ زہراؑ ایسی خاتون اور علیؑ ایسے نفس کو اپنے ساتھ لیے ہوئے تھے تو عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا اور مخصوص شرائط پر صلح کر کے واپس ہو گئے، اس طرح فاطمہ زہراؑ نے ثابت کر دیا کہ ان کا معیار پردہ بھی جس کی وہ پابند ہیں، بر بنائے عادت نہیں بلکہ بر بنائے فرض ہے، اس لیے کسی مستثنیٰ صورت میں اللہ کا حکم ظاہری صورت میں ان کے عام دستور زندگی کے خلاف فریضہ عائد کرے تو اس کی تعمیل بھی ان کے لیے ویسی ہی خوشگوار ہے جیسی اپنے عام دستور کی پابندی۔

رسولؐ کا برتاؤ:- حضرت فاطمہ زہراؑ کے اوصاف و کمالات ہی کا نتیجہ تھا کہ رسول فاطمہ زہرا کے ساتھ محبت بھی انتہائی فرماتے تھے اور آپ کی عزت بھی ایسی کرتے تھے جیسی اپنی بیٹی کی عزت کوئی دوسرا باپ نہیں کیا کرتا۔

محبت کے مظاہروں میں سے ایک یہ تھا کہ جب آپ کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر

میں فاطمہ زہراؑ سے رخصت ہونے تشریف لاتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہراؑ کے دیکھنے کو تشریف لاتے تھے۔

اور عزت و احترام کا مظاہرہ یہ ہے کہ جب فاطمہؑ آتی تھیں تو آپؐ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے، اور اپنی جگہ پر لا کر بٹھاتے تھے۔ یہ برتاؤ رسولؐ کا فاطمہ زہراؑ کے سوا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہ تھا۔

فضائل :- سیدۂ عالم کی فضیلت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی حدیثیں وارد ہیں جتنی حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے سوا کسی دوسری شخصیت کے لیے نہیں ملتیں ان میں سے اکثر علمائے اسلام میں متفقہ حیثیت رکھتی ہیں، مثلاً آپ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں، ایمان لانے والی عورتوں کی سردار ہیں، آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ ناراض ہوتا ہے، جس نے آپ کو ایذا دی اس نے رسولؐ کو ایذا دی، آپ کا نام فاطمہؑ اس لیے ہوا کہ خدا نے آپ کی بدولت آپ کے دوست رکھنے والوں کو عذاب جہنم سے چھڑایا ہے۔ ''فطم'' کے معنی چھڑانے کے ہیں۔ فاطمہؑ کے معنی ہوئے ''چھڑانے والی'' اس طرح کی بکثرت حدیثیں ہیں جو معتبر کتابوں میں درج ہیں۔

وفات رسولؐ :- بعثت کے ۲۳ برس اور ہجرت کے دس برس بعد جب فاطمہ زہراؑ ۱۸ برس کی تھیں، آپ کے شفیق اور عزت کرنے والے قدردان باپ نے دنیا سے رحلت فرمائی، اس صدمہ کا اثر فاطمہ زہرا نے اتنا لیا جتنا کسی بیٹی نے کبھی اپنے باپ کی وفات کا اثر نہیں لیا ہے۔

نوحہ و بکا :- رسولؐ کی وفات کے بعد سیدۂ عالمؑ جتنے دن زندہ رہیں، کبھی کسی نے آپ کو ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا بلکہ برابر باپ کے غم میں روتی رہیں۔ اور آپ اتنے پر درد طریقہ پر نوحہ کرتی تھیں کہ آس پاس کے رہنے والے بھی شدید طور متأثر ہوتے تھے۔

ناگوار حالات :- افسوس ہے کہ وہ فاطمہؑ جن کی تعظیم کو رسولؐ کھڑے ہو جاتے تھے، بعد رسولؐ اہل زمانہ کا رخ اپنی طرف سے پھرا ہوا محسوس کرتی تھیں۔ علی ابن ابیطالبؑ سے خلافت کا ہٹایا جانا ہی سیدہ کے لیے کیا کم تھا کہ آپ سے بیعت کا سوال بھی کیا جانے لگا اور صرف سوال ہی نہیں بلکہ جبر و تشدّد سے کام لیا جانے لگا انتہا ہے کہ سیدۂ عالمؑ کے گھر پر لکڑیاں جمع کر دی گئیں اور آگ لگائی جانے لگی۔ اس وقت کے صدمہ و زحمت کی شدت وہ تھی جسے جسمانی حیثیت سے سیدہ برداشت نہ کر سکیں اور وہی آپ کی وفات کا سبب ہوا، ان صدموں کی شدت سیدہ کی زبان پر جاری ہونے والے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ؎

صبت علیٰ مصائب لو انھا
صبت علی الایام صرن لیالیا

یعنی مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں ہیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے۔

فدک :- سیدہؑ کو جو جسمانی و روحانی صدمے پہونچے ان میں ایک بڑا اضافہ اس سے ہو گیا کہ فدک جائداد جو رسولؐ نے سیدہ عالمؑ کو مرحمت فرمائی تھی، اسے بعد رسولؐ ضبط کر لیا گیا۔ جائداد کا چلا جانا سیدہؑ کے لئے اتنی

تکلیف کا باعث نہ ہوسکتا تھا جتنا کہ آپ کے دعوے کو حکومت کی طرف سے غلط قرار دیا جانا۔ یہ وہ صدمہ تھا جس کا اثر سیدہ کے دل پر مرتے دم تک رہا۔

وصیتیں:- حضرت فاطمہ زہراؑ نے طبقۂ خواتین کے لئے پردہ کی یادگار اہمیت اس وقت بھی قائم کی جب آپ دنیا سے رخصت ہونے والی تھیں اس طرح کہ آپ ایک دن غیر معمولی طور پر فکر مند نظر آئیں آپ کی چچی (جعفر طیار کی بیوہ) اسما بنت عمیس نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے جنازہ اٹھانے کا یہ دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میت کو بھی تختہ پر اٹھایا جاتا ہے جس سے اس کا قدو قامت نظر آتا ہے۔ اسماء نے کہا میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ جنازہ اٹھانے کا دیکھا ہے وہ غالباً آپ کو پسند ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے تابوت کی ایک شکل بنا کر دکھائی اس پر سیدۂ عالمؑ بہت خوش ہوئیں اور پیغمبرؐ کے بعد صرف یہ ایک موقع ایسا تھا کہ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کو اسی طرح کے تابوت میں اٹھایا جائے مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ سب سے پہلی لاش جو تابوت میں اٹھی ہے وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی تھی اس کے علاوہ آپ نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ آپ کا جنازہ پردۂ شب میں اٹھایا جائے اور ان لوگوں کو اطلاع نہ دی جائے جنکے طرز عمل نے آپ کے دل میں زخم ڈال دیے تھے اور جن سے انتہائی ناراضگی کے عالم میں آپ دنیا سے رخصت ہوئیں

وفات:- آخر سیدۂ عالمؑ نے اپنے والد بزرگوار رسولؐ خدا کی وفات کے ۳مہینہ بعد تیسری جمادی الثانیہ ۱۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا۔ حضرت علیؑ ابن ابیطالب نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ صرف بنی ہاشم اور سلمان اور مقداد و عمار ایسے چند مخلصین کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اور خاموشی کے ساتھ دفن کر دیا آپ کے محل دفن کی اطلاع بھی عام طور سے لوگوں کو نہیں ہوئی جس کی بنا پر یہ اختلاف رہ گیا کہ آپ جنت البقیع میں دفن ہیں یا اپنے ہی مکان میں جو بعد کو مسجد رسول کا جزو بن گیا۔ جنت البقیع میں جو آپ کا روضہ تھا وہ بھی باقی نہیں رہا بلکہ ۸ رشوال ۱۳۴۴ھ کو ابن مسعود نے دوسرے مقابر اہل بیتؑ کے ساتھ اسے بھی منہدم کر دیا۔

بقیہ: مسلمانوں کے درمیان۔۔۔۔

ثبوت میں خدا کی شہادت یعنی قرآن مجید کی رو سے اپنی نبوت کا اعلان کرے: قُلْ كَفَىٰ بِاللهِ شَهِيداً بَيْنِي وَبَيْنَكُم (رعد ۴۳) ترجمہ: اے نبیؐ کہدے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری نبوت اور پیغمبری کے متعلق خود خدا کی شہادت کافی ہے۔

ایک اور جگہ (قرآن مجید) میں خداوند کریم کی شہادت کے علاوہ فرشتوں کی شہادت بھی ہے: لٰكِنِ اللهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللهِ شَهِيداً (نساء ۱۶۶)

ترجمہ: لیکن خداوندتعالیٰ نے جو چیز تجھ پر نازل کی ہے اس کے متعلق خود بھی شہادت دیتا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور صرف خداوندتعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

❁❁❁